خلافت کو سلام

اوقیانوس کے دوسرے کنارے سے

(آصف محمود باسط)

ماہ مئی کے آغاز میں مجھے ایک جماعتی کام کے سلسلہ میں کینیڈا کا سفر اختیار کرنا پڑا جو قریب ایک ہفتہ پر محیط رہا۔ یہ سفر ایک جماعتی ذمہ داری کے حوالے سے تھا مگر اس ذمہ داری کا ذکر تو قارئین کے لئے کچھ خاص دلچسپی کا باعث نہ ہو گا، مگر میں یہاں اپنے کچھ ایسے احساسات اور جذبات پیش کرنا چاہتا ہوں جو میں نے دوران سفر شدت سے محسوس کیے اور جو عام دلچسپی کا موجب ہو سکتے ہیں۔ ایسے جذبات جو خلافتِ احمدیہ سے محبت سے متعلق ہیں۔

اپریل کے اوائل میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سفر کی ہدایت موصول ہوئی۔ جہاں دل فوری تعمیل کے لیے تیار تھا، وہاں ایک عجیب الجھن نے بھی دل کو آلیا۔ اب اس لمحہ کو دوبارہ یاد کر کے میں شرمندہ ہو جاتا ہوں۔ لیکن اس سارے معاملہ میں ایک خاص پیغام ہے، اس لیے یہاں بیان کر دیتا ہوں۔



ہوائی سفر کے ایک انجانے خوف کی وجہ سے میں کئی سال ہوائی جہاز پر سوار نہیں ہوا تھا۔ ہوا یوں کہ آخری دفعہ قریباً چودہ برس پہلے، میں سویڈن جانے والی ایک پرواز میں سوار

تھا،اور اس چھوٹے طیارہ کی کھڑکی سے جہاز کے پَروں پر لگے پنکھے تک نظر آرہے تھے۔ طیارہ اسقدر چھوٹا تھا کہ ہچکولے کھاتا ہوا پرواز کرتا رہا، اور میرے دل میں پرواز کا خوف ایسا گھر کر گیا کہ مجھے پرواز کا تصور کرنا بھی محال ہو گیا۔

اس عرصہ میں میرے لئے کئی مواقع پر ہوائی سفرضروری ہوا مگر میں کسی نہ کسی طرح اس سے دامن بچا جاتا رہا۔ان مواقع میں کچھ میرے کام سے متعلق تھے، اور کچھ ذاتی نوعیت کے۔

خدا کا شکر ہے کہ میرے اس گریز کے باوجود کام کا حرج کبھی نہ ہوا۔ اللہ بھلا کرے دنیا بھر میں پھیلی جماعت احمدیہ کا کہ کوئی نہ کوئی صورت کام کے ہوجانے کی نکل آتی رہی۔مثلاً ایک موقع پر مجھے استنبول میں عثمانی آرکائیوز تک رسائی حاصل ہوئی تو میں نے اپنی تحقیق وتلاش کا تمام تر کام اپنی میز سے مکمل کیا،عثمانی آرکائیوز کے عملے سے فون پر گفتگو ہوتی رہی۔جب متعلقہ دستاویزات کا سراغ مل گیا تو ترکی میں تعینات مبلغ سلسلہ مکرم صادق بٹ صاحب سے درخواست کی کہ وہ جاکر ریکارڈ آفس سے نقول حاصل کر کے مجھے ارسال کر دیں۔ یوں مطلوبہ دستاویزات مجھے بغیر ہوائی سفر کیے مہیا ہوگئیں۔

اسی طرح میری والدہ مرحومہ کا بڑھاپے اور ڈیمنشیا کا زمانہ ذاتی ضرورت کے لیے ہوائی سفر سے بچا جاتا رہا۔ برسوں پر محیط اس عرصہ میں والدہ صاحبہ ہمارے ساتھ رہتی تھیں اور میری اہلیہ ان کی کل وقتی دیکھ بھال کا فریضہ نبھارہی تھیں۔میرے بچے اس ذمہ داری کو اچھی طرح سمجھتے رہے اور میرے ساتھ بیرون ملک سفر کرنے کی اپنی خواہش قربان کر لیتے رہے۔

لیکن اب، 2024 کے موسم بہار کی آمد آمد میں، مجھے ایک ایسے ملک کی طرف پرواز کرنے کی ہدایت ملی جہاں تک رسائی کے لئے کوئی دوسرا طریقہ سفر بھی ممکن نہ تھا۔

میرے آقا کا حکم آچکا تھا اور اس غلام کو مکمل انشراح صدر کے ساتھ اس کی تعمیل کرنا تھی۔ الحمد للہ، مجھے اس کی توفیق بھی ملی۔ ایک لحظہ سے بھی کم وقت لگا اور میرا ہوائی سفر کا خوف، آقا کے ارشاد کی تعمیل پر لبیک کہنے میں بدل گیا۔ اور وقفِ زندگی کا دعویٰ کرنے والوں کو زیب بھی کم از کم یہی دیتا ہے۔

میں نے اسی لمحے اپنا فون اٹھایا اور جماعت کے متعلقہ شعبہ سے درخواست کی کہ ٹورانٹو کے لیے

میری فلائٹ بک کروادیں۔ اور کچھ ہی دیر میں، میرے سفر کی تاریخ اور تفصیل میری ای میل میں موجود تھی۔ میرے مرحوم دوست سید ناصر احمد نے کیا ہی خوب لکھا تھا کہ

قدم بڑھا دیا ہم نے ترے قدم کے ساتھ
ہمیں خبر بھی نہیں کون سے یہ زینے ہیں

اب ہوائی سفر میرے سامنے تھا اور مجھے گھور رہا تھا۔ میری روانگی کے دن تک کئی مواقع آئے کہ جب میں نے چاہا کہ میں حضور انور سے ذکر کروں کہ مجھے ہوائی سفر سے خوف محسوس ہوتا ہے اور اس کے لیے دعا کی درخواست کروں۔ مگر یہ میری کمزوری تھی، اور کسی سپاہی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سپہ سالار کو بتائے کہ اس کے پیچھے صف آراء ایک لشکری کمزور ہے۔ اس لئے میں نے اپنے خوف کو دل میں ہی چھپائے رکھا اور سفر کی تیاری جاری رہی۔

4 مئی بروز ہفتہ روانگی تھی۔ میں روانگی سے قبل کینیڈا سے متعلق ذمہ داری کے حوالے سے حضور انور سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے حاضر ہونا چاہتا تھا، سو میں نے 27/28 اپریل کے لیے ملاقات کی درخواست جمع کروادی۔ لیکن 26 اپریل بروز جمعہ مجھے حضور انور کے دفتر سے اطلاع ملی کہ ملاقات نہیں مل سکی۔ یہ بھی کہ اس ہفتے کسی اور کی بھی دفتری ملاقات نہیں ہو گی۔ اس تازہ صورت حال میں پریشان تھا کہ اب روانگی سے پہلے رہنمائی کی درخواست کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

جمعہ 3 مئی کی صبح، روانگی سے ایک دن پہلے، میں نے حضور انور کی خدمت میں درخواست لکھی کہ اسی روز دوپہر کو ملاقات کا عطا کرنے کی درخواست ہے کیونکہ اگلی صبح میری روانگی کا وقت طے تھا۔ اس پر حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے مجھے بتایا کہ پیارے حضور نے آپ کی درخواست ملاحظہ فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر ممکن ہوا تو حضور مجھے دوپہر میں کچھ وقت عنائیت فرمائیں گے۔

لیکن اس دن اپنے خطبہ جمعہ کے آخر پر حضور انور نے اپنی صحت اور حالیہ علاج کا ذکر فرمایا۔ قارئین کے لئے یہ تصور کرنا کچھ مشکل نہیں ہو گا کہ مجھے یہ احساس کس قدر تکلیف دہ ہوا ہو گا کہ خطبے سے قبل میں نے ملاقات کی درخواست لکھ کر پیش کی تھی۔ مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا تو میں کبھی بھی حضور کو ایسی درخواست بھیج کر بے آرام کرنا پسند نہ کرتا۔ ان چند لمحوں کے لیے بھی نہیں جو میں نے مانگے تھے۔

میرا جی چاہا کہ دوبارہ لکھوں اور ملاقات کے لئے اپنی درخواست واپس لے لوں۔ لیکن پھر یہ بھی مناسب نہ لگا اور میں نے باقی کا دن ایک شدید احساسِ جرم میں گزارا۔ لیکن پھر یہ سب کچھ انجانے میں ہی تو ہوا تھا۔

میں نے عصر کی نماز مسجد مبارک میں پڑھی اور اسلام آباد ہی میں ٹھہر گیا۔ نماز کے بعد کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کا فون آیا کہ حضور نے یاد فرمالیا ہے۔

میں حضور کے دفتر میں داخل ہوا اور حضور کو حسبِ معمول کام کرتے دیکھا۔ ایک فائل آپ کے زیر مطالعہ تھی اور آپ کے ہاتھ میں قلم تحریر کی سطروں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، تاحسب ضرورت حضور زیر غور معاملہ پر ہدایت جاری فرماسکیں۔حضور انور نہایت پرسکون طریق پر پورے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھے، اور قریب سے دیکھنے میں بھی مکمل تندرست نظر آرہے تھے۔ میں اس مردِ خدا کے سامنے بیٹھنے کے لیے کرسی کی طرف چل پڑا۔

حضور انور نے حسبِ معمول مسکراتے ہوئے نہایت محبت سے فرمایا کہ کیسے آنا ہوا؟

میں نے عرض کی کہ کل صبح میری کینیڈا کے لئے روانگی ہے اور وہاں میرے سپرد ذمہ داری کے حوالہ سے کچھ رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔حضور انور نے نہایت شفقت سے رہنمائی فرمائی جسے میں نے تحریر میں محفوظ کرلیا۔ یہی وہ اثاثہ تھا جو میں نے اپنے ساتھ لے کر سفر پر لے کر جانا۔میرے سفر کا حقیقی مقصد بھی تو یہ اثاثہ بطور امانت لے کر جانا اور منزلِ مقصود تک پہنچانا تھا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ کسی کو میرے ذاتی خیالات سے بھلا کیا دلچسپی ہو گی۔ وہ تو حضور انور کی ہدایات اور ارشادات کے لیے چشم براہ ہوں گے۔ یہی خزانہ تھا جو میں نے ان قیمتی لمحوں میں جمع کیا اور اپنے ساتھ لے جانے کے لئے محفوظ کیا۔

اس کے بعد نہایت محبت بھرے انداز میں حضور نے اجازت دی کہ مجھے کچھ اور کہنا ہے تو عرض کرلوں۔ میں نے موقع غنیمت جان کر عرض کی کہ ہر کوئی حضور کی صحت کے بارے میں فکرمند ہے اور کس طرح ہر کوئی دعا مانگ رہا ہے اور ہر طرف حضور کی صحت یابی ہی گفتگو کا موضوع ہے۔

حضور انور نے بتایا کہ ڈاکٹرز کس طرح ایک طویل عرصے سے یہ طریقہ علاج تجویز کر رہے

تھے،اور کس طرح حضور انور اسے ملتوی کرتے آرہے تھے،اور یہ کہ ابتدائی مشورہ اور اب تک کے درمیان برسوں کا وقت گزر چکا تھا۔

ملاقات کے اختتام پر حضور انور نے نہایت شفقت سے پوچھا کہ کینیڈا میں میرا قیام کب تک ہے اور واپسی کب ہو گی۔ جواب عرض کرنے کے بعد اور بالکل جاتے جاتے میں نے سوچا کہ میں اپنے اس خوف کے متعلق دعا کی درخواست کر دوں جو مجھے کئی سالوں سے درپیش تھا اور اب تو بالکل ہی سر پر آن پہنچا تھا۔

میں نے عرض کی کہ حضور! مجھے جہاز کے سفر سے کچھ ڈر محسوس ہوتا ہے۔ اس کے لیے بھی دعا کی درخواست ہے۔

تب تک میں دفتر کے دروازے کے پاس کھڑا تھا۔حضور انور نے سر سے پاؤں تک میری طرف دیکھا،اور مسکرائے۔ اس پر میں بھی اپنی جھینپی ہوئی مسکراہٹ کو نہ روک سکا، کیونکہ تب خود مجھے بھی یہ عجیب منظر لگا کہ ایک چھ فٹ لمبا، ادھیڑ عمر آدمی معصوم بچوں کی طرح اپنے خوف کا اظہار کر رہا ہے۔

حضور نے فرمایا:

''اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟ جب تم ائیر پورٹ جاؤ گے تو ارد گرد نظر دوڑانا، تمہیں بہت سے چھوٹے بچے اور بوڑھے لوگ جہاز میں سوار ہوتے نظر آئیں گے۔ یہ منظر تمہیں شرمندہ کرنے اور خوف سے نجات دلانے کے لیے کافی ہو گا۔''

اس بات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہ حضور انور نے ایک ایسے مسئلے کو کس قدر آسانی سے ہلکے پھلکے انداز میں حل کر دیا جو مجھے زندگی اور موت کا مسئلہ لگ رہا تھا، میں دفتر سے باہر نکل آیا۔

جب میں ملاقات کے بعد دفتر سے باہر نکلا اور کار پارک کی طرف آیا تو جس نے بھی مجھے حضور انور کے دفتر سے باہر آتے دیکھا حضور کی طبیعت کے بارے میں پوچھنے لگا۔ میں گھر پہنچا تو میرے اہل خانہ نے بھی اسی طرح مجھ سے حضور انور کی صحت کا ہی پوچھا۔حتیٰ کہ اگلی صبح جن صاحب نے مجھے ائیر پورٹ چھوڑا، انہوں نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا۔

میں نے سب کو اسی خوشی اور اطمینان میں شریک کرنے کی کوشش کی جو میں نے حضور کو کام میں

مصروف دیکھ کر اور صحت مند، خوش اور مطمئن دیکھ کر حاصل ہوا تھا۔ ایئر پورٹ کے اندر میں سیکورٹی اور امیگریشن سمیت تمام ضروری مراحل سے بغیر کسی خوف اور پریشانی کے گزرتا چلا گیا۔

ہوائی جہاز نے اڑان بھری تو یہ وہی مرحلہ تھا جس کے بارہ میں سب سے زیادہ خوفزدہ تھا۔ لیکن تھوڑے ہی وقت میں جہاز تقریباً 40,000 فٹ کی بلندی پر اڑنے لگا، لیکن اس قدر بلندی بھی مجھے ہمیشہ ایک ڈراؤنے خواب کی طرح لگتی تھی۔سفر جاری رہا گو جہاز کبھی کبھار turbulence کے باعث لرزتا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ جہاز کی اسی ممکنہ تھرتھراہٹ کو سوچ کر مجھے ہول پڑا کرتے تھے۔ لیکن سب خیر ہے اور وسیع وعریض بحراوقیانوس کے شمالی حصے پر محو پرواز ہوں۔ جبکہ حدِنظر پھیلے سمندر پر پرواز بھی مجھے ڈراؤنی فلم کے منظر سا لگا کرتا تھا۔

میں یونہی ماضی وحال کے فرق تلاش کر رہا تھا کہ آٹھ گھنٹے کا طویل سفر تمام ہوا اور جہاز ٹورانٹو ائیر پورٹ کی جانب اترتا چلا گیا۔ جہاز کی لینڈنگ جو تخیل میں مجھے کئی سالوں سے پریشان کیا کرتی تھی ایک خوشگوار تجربے میں بدل گئی۔ میں منزل پر پہنچ چکا تھا، جہاں آگے کچھ ذمہ داریاں میری منتظر تھیں اور میں ان کے لیے تیار تھا۔

مگر میں اندر ہی اندر خود سے الجھ کر بار بار یہ بھی پوچھ رہا تھا کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس نے میرے ذہن سے ایک گہرے خوف اور اندیشے کو اتنی آسانی سے اکھاڑ پھینکا؟ کیا یہ حضور کے چہرے کی وہ بے اختیار مسکراہٹ تھی جو میں نے اپنے خوف کا اظہار کرتے ہوئے دیکھی تھی؟ کیا یہ آپ کے سادہ مگر نہایت موثر مشورہ کا اثر تھا؟ لیکن مجھے اچانک یاد آیا کہ اپنا خوف دور کرنے کے لئے آس پاس کے بوڑھوں اور بچوں کو سفر کرتے دیکھنا مجھے بالکل ہی بھول گیا تھا۔ یا پھر یہ حضور انور کی صحت کی فکر تھی جس نے ہر احمدی کے دل میں کسی اور معمولی فکر کی گنجائش تک نہیں چھوڑی تھی؟

میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ سبھی کچھ مل کر ایک مکمل علاج بن گیا۔ ایک اور احساس جو میں نے اس تجربے سے حاصل کیا وہ یہ ہے کہ جہاں حضور انور کی کسی امر کی طرف توجہ کرشمہ انگیز ہوتی ہے، وہاں حضور کا کسی اندیشے کو مسترد کر دینا بھی وسوسوں کو محو کرسکتا ہے۔ کیونکہ میں نے آج خود تجربہ کیا کہ میرے آقا کی دلآویز مسکراہٹ، جس نے گویا میرے اندیشوں کو مسترد کیا، میرے خوف کو دور کرگئی

تھی، الحمدللہ۔

ٹورانٹو کے Pearson ایئرپورٹ پر مکرم عبدالرشید انور صاحب (مشنری انچارج کینیڈا) اور مکرم فضل ملک صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔سلام دعا کے تبادلہ کے بعد ان دونوں نے جو پہلا سوال مجھ سے کیا وہ حضور انور کی صحت کے بارے میں تھا۔

یوں ایئرپورٹ سے گیسٹ ہاؤس تک کے مختصر سفر میں جہاں میری رہائش کا انتظام تھا، ہماری گفتگو کا موضوع بھی یہی رہا۔

گیسٹ ہاؤس پہنچنے پر جو احباب ملے ان سب نے بھی یہی پوچھا کہ حضور کی طبیعت اب کیسی ہے؟

میں ٹورانٹو پہنچنے کے دو گھنٹے بعد مسجد بیت الاسلام میں ہونے والی ایک تقریب میں شریک تھا۔ پہلا سوال جو مجھ سے ہر کسی نے پوچھا وہ حضور کی صحت اور تندرستی کے بارے میں تھا۔ اس کے بعد کے پورے ہفتے میں مجھے سینکڑوں عاشقانِ خلافت سے گفتگو کرنے اور ملنے کا موقع ملا۔سب سے پہلے وہ یہی جاننا چاہتے تھے کہ حضور کیسے ہیں؟ ''کیا آپ حضور سے ملے؟ کیا آپ نے حضور سے بات کی؟ حضور کی طبیعت اب کیسی ہے؟ کیا وہ خیریت سے ہیں؟''

اللہ کے فضل سے میں انہیں یہ بتانے کے قابل تھا کہ مجھے حضور انور سے ملاقات کی سعادت میسر آئی، اور متفکر ہو کر پوچھنے والے سب احمدیوں کو اپنی اس ملاقات کا منظر بتاتا رہا جو خطبہ کے چند گھنٹے بعد اور کینیڈا روانگی سے چند گھنٹے قبل نصیب ہوئی تھی، اور اس موقع پر خود حضور انور نے اپنی صحت کا احوال بیان فرمایا تھا۔ میں بہت خوش اور مطمئن تھا کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کے ان تمام چاہنے والوں کو یہی خوشخبری سنا رہا تھا کہ الحمدللہ، حضور بالکل خیریت سے ہیں۔ میں حضور انور کو اپنے کام میں مصروف دیکھ کر آرہا ہوں۔آپ اپنے دفتر میں اپنی میز پر مصروفِ کار تھے۔آپ خوش تھے۔ ہمیشہ کی طرح مطمئن تھے۔سارا ماحول آپ کی مسکراہٹ سے منور تھا۔

میں نے کینیڈا میں قیام کے دوران جن تقریبات میں شرکت کی، ایک بھی ایسا موقع نہیں تھا جہاں مجھ سے دو سوال نہ پوچھے گئے ہوں۔ ایک تو حضرت صاحب کی صحت کے بارے میں۔ دوسرا یہ کہ خلیفہ المسیح سے بہت دور دراز واقع ملک میں رہتے ہوئے، ہم حضور سے زندہ تعلق کیسے قائم کر سکتے ہیں؟

پہلے سوال کے جواب میں، جیسا کہ میں نے ذکر کیا، میرے پاس خوش خبری تھی اور بالکل تازہ معلومات تھیں۔لیکن دوسرے سوال نے ہر دفعہ مجھے اندر تک جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔کیونکہ یہ سب احباب مجھ سے یہ سوال اس لیے کر رہے تھے کہ وہ مجھے حضور کے قریب سے آنے والے شخص کے طور پر دیکھ رہے تھے۔ میں ان کی آنکھوں میں اس رشک کو محسوس کرسکتا تھا، اور یہ احساس میری ساری ہستی اور وجود کو ہلا کر رکھ دیتا تھا۔

میں اسلام آباد/ٹلفورڈ سے صرف ڈیڑھ میل کے فاصلے پر رہتا ہوں اور مجھے ہمیشہ یہ خوف دامنگیر رہتا ہے کہ کیا میں حضرت خلیفۃ المسیح کی اس جغرافیائی قربت کی اس نعمت کا حق بھی ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ جبکہ مجھ سے سوال پوچھنے والے ان لوگوں اور اسلام آباد کے درمیان ہزاروں میل پھیلا ایک گہرا سمندر حائل ہے لیکن زمینی مسافتوں سے ماوراء ہو کر یہ مخلصین حضور انور کی قربت کے خواہشمند ہیں۔ میں نے خود کو اس خوش گمانی میں مبتلا رکھنے کی کوشش کی کہ میں نے اپنے احساسِ جرم کو چھپالیا ہے لیکن اب جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں، یہی احساس، یہی فکر اور یہی سوال میرے دل پر چرکے لگا رہا ہے۔

میں نے ایسے تمام سوالوں کے جواب میں یہ کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کا قرب تو دراصل دلوں کا معاملہ ہے، جسمانی نہیں۔تب میں نے اس کی ایک مثال بھی دی کہ جس طرح ایک بڑے اور وسیع ہال میں قریب ترین بھی اور سب سے زیادہ دور لگے روشنی کے قمقموں میں بیک وقت صرف ایک سوئچ کے آن کرنے سے روشنی آجاتی ہے۔ بالکل اسی طرح خلافت احمدیہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے نور سے منور کر رہی ہے۔ میں نے ان احباب کے سامنے یہ بھی عرض کی تھی کہ بعض اوقات برقی رَو کے بالکل قریب ترین لگے بلب تو روشنی کھو دیتے ہیں جبکہ باقی تمام روشن رہتے ہیں۔

یہ تشبیہ بیان کرتے ہوئے ہر دفعہ میں نے خود کو وہ محسوس کیا جو روشنی کے منبع کے قریب تو ہے لیکن روشن نہیں۔اور دور دراز کی آبادیوں میں مکین ان لوگوں کی آنکھوں میں وہ قرب نظر آیا جو دور بیٹھے بھی انہیں حدت بھی پہنچا رہا ہے اور منور بھی کر رہا ہے۔ اس عرصہ قیام کے دوران میں لوگوں کی تڑپ کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا کہ کیسے ہزاروں میل دور بسنے والے لوگوں کو اپنے محبوب امام کی محبت ایک خاص توانائی بخش رہی ہے۔

ہر تقریب کے بعد وہاں موجود حاضرین ضرور پوچھتے کہ میں کب برطانیہ واپس جارہا ہوں۔ میں انہیں بتاتا، تو بلا مبالغہ اُن میں سے ہر ایک یہی کہتا:

''کیا آپ حضور کو میرا سلام کہہ سکتے ہیں؟''

یقینا، میرے لئے انکار ممکن نہیں تھا کیونکہ مجھے وہ ڈھیروں ڈھیر پیار اور وفا کے سندیسے واپس لانے تھے جو آقا و مولا کے لئے ان کے احباب نے بطور امانت میرے سپرد کئے تھے۔ اگر محبت کوئی مادی شے ہوتی تو واپسی کے سفر میں میرا اسباب ہوائی جہاز کی مقررہ حد سے کئی گُنا متجاوز ہو چکا ہوتا۔

ایک ہفتے پر مشتمل میرے اس سفر میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے یہ معجزہ بچشم خود دیکھا کہ خلافت کے لئے احمدیوں کے دلوں میں محبت ہر حد سے سوا ہے اور ایک ایسا مضبوط ربط ہے جس کے سامنے وسیع و عریض براعظموں کی وسعتیں اور بڑے بڑے سمندروں کی گہرائیاں کچھ بھی نہیں۔

میں نے ہوائی سفر اور پرواز کے خوف سے یہ مختصر مضمون شروع کیا تھا، اور اس کا اختتام بھی اسی پر ہو رہا ہے۔ یہ سطور لکھتے وقت مجھے ایک اور ہوائی سفر درپیش ہے اور اس ماہ کے آخر پر ایک دفعہ پھر اڑان بھرنے کے لیے خود کو تیار رہا ہوں۔ اور حال یہ ہے کہ نیوز چینلز مسلسل سنگاپور ایئر لائنز کی اس پرواز کی کہانی بتا رہے ہیں جو turbulence کا شکار ہو کر سخت غیر متوازن ہوئی اور ناخوشگوار نتائج کا شکار ہو گئی۔

یہ سفر کچھ روز تک میرے آقا کے ارشاد کی تعمیل میں درپیش ہے۔ دل میں یقین ہے کہ انشاءاللہ سب خیر ہو گی۔ اگر خدانخواستہ کچھ ہوا بھی تو اپنے آقا و مطاع کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کا سامنا کرنے سے بہتر کچھ بھی نہیں۔ ہماری اپنی بھلا اوقات ہی کیا ہے؟ ہماری ہستی تو ہوئی ہوئی، نہ ہوئی نہ ہوئی۔ سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے ہر حکم اور فیصلہ کی تعمیل ہو۔ اللّٰھم اید امامنا بروح القدس!